۲۵ / ۱۳ / ۲۸ھ
۳ / ۱ / ۲۹ھ

باسمہ سبحانہ وتعالے

۸۰/۱۱۷-۱۱۹

کیا فرماتے ہیں علماء کرام مسائل ھذا کے بارے میں۔

① فقہاء اور محدثین کے نزدیک احادیث کی صحت وضعف میں کیا فرق ہے؟

② احادیث کی مباحث میں بیان مذاہب کے وقت جو توجیہات احناف کیطرف سے کی جاتی ہیں انہیں اکثر دوسروں کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اس کام کو آپ علیہ السلام نے بیان جواز کیلئے کیا : تعلیم امت کیلئے کیا : پہلے کیا پھر ترک کر دیا : دریافت یہ کرنا ہے کہ اگر کوئی (اس شوق میں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا تو ہے نا) تنہائی میں وہ کام کرے، واضح رہے مذکورہ شخص مقلد ہے صرف حدیث پر عمل کرنا چاہتا ہے۔

③ تشبہ بالکفار (یا عموماً غیر مسلم) کا تعلق کن اعمال سے ہے؟ عبادات، معاملات، ضروریات (اختیاریہ، اضطراریہ)، اخلاقیات، یا معاشرت سے؟

محمد راشد ڈسکوی
۲ ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب ومنہ الصدق والصواب:

① فقہاء اور محدثین کے ہاں حدیث کی تصحیح وتضعیف کا معیار:

یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے، جس میں تہہ در تہہ اختلافات پائے جاتے ہیں، محدثین اور فقہاء کے اختلاف کے علاوہ خود فقہاء کا بھی آپس میں اتفاق نہیں، ہر ایک جماعت ایک مستقل نظریے کی حامل ہے۔

چند اصولی باتیں ذکر کر دی جاتی ہیں، جن سے مسئلہ ایک حد تک واضح ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث صحیح کیلئے پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، اتصال سند، عدالت راوی، ضبط راوی، عدم شذوذ اور عدم علت قادحہ،
اگر ان میں سے کوئی شرط مفقود ہوگی تو وہ روایت ضعیف کہلائے گی، اور اس سے استدلال کرنا درست نہ ہوگا، اسی لئے اکثر محدثین کے ہاں مراسیل حجت نہیں، کیونکہ مراسیل میں انقطاع پایا جاتا ہے، جبکہ جمہور فقہاء کرام امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک راوی اگر ثقہ ہو تو اس کی مرسل

Scanned by CamScanner

روایت قابلِ قبول ہوگی، امام شافعی رحمہ اللہ بھی مُرسل کو قابلِ حجت مانتے ہیں، بشرطیکہ مؤیدات اربعہ میں سے کوئی ایک مؤید پایا جائے، والمؤیدات ھي:
أن يروى مسنداً أو مرسلاً من وجه آخر أو يفتي به بعض الصحابة أو أكثر أهل العلم.

نیز نفیِ شذوذ کی شرط بھی ائمہ فقہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں، اور معلل نہ ہونے کی شرط بھی اصولیین اور فقہاء کے اصول وقواعد کے مطابق نہیں ہوتی۔

۲۔ محدثین کے ہاں صحتِ حدیث صحتِ فقہیہ کو مستلزم نہیں، یعنی قواعدِ محدثین کے اعتبار سے حدیث کا صحیح ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ فقہاء کے نزدیک بھی قابلِ عمل ہو، اور اس سے کسی مسئلہ کا استخراج کیا جا سکے، کیونکہ اولاً تو مجتہد مذکورہ شروط کا پابند نہیں ہوتا، حدیث کی تصحیح وتضعیف میں اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے اور ثانیاً مذکورہ شروط کی تطبیق میں بھی اختلاف ہوتا ہے کہ محدثین کے ہاں تو راوی عادل وضابط ہوتا ہے، روایت میں کوئی شذوذ اور علتِ قادحہ نہیں پائی جاتی، جبکہ فقہاء کے ہاں وہ عادل یا ضابط نہیں ہوتا، یا اُن کے مطابق حدیث میں کوئی علت قادحہ پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے وہ حدیث قابلِ عمل نہیں ہوتی اور ثالثاً اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تو وہ کسی دوسری دلیلِ شرعی کے معارض ہوتی ہے، اس لئے اس پر عمل نہیں کیا جاتا، مثلاً فنی اعتبار سے تو حدیث صحیح ہے، لیکن وہ قرآن وسنتِ مشہورہ کے خلاف ہو تو فقہاء اسے نہیں لیتے، ولذا قیل: ولیس کل حدیث صحیح یُعمل به. اسی طرح اگر وہ قرآن وسنت سے مستنبط قواعدِ کلیہ کے معارض ہو، تو حنفیہ اسے مرجوح قرار دیتے ہیں، اور عام حکم کا اس سے استنباط نہیں کرتے۔

۳۔ محدثین اگر کسی حدیث کو ضعیف قرار دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ نفس الامر میں بھی واقعۃً جھوٹی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں صحیح یا حسن کی فنی شرائط نہیں پائی جاتیں، ممکن ہے کہ ضعیف راوی نے بھی سچ کہہ دیا ہو، لیکن یہ احتمال بغیر شواہد وقرائن کے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔

لہٰذا اگر محدثین کی ایک جماعت نے کسی حدیث کو ضعیف یا موضوع قرار دیا ہو لیکن ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ وغیرہ میں سے کسی نے اس سے استدلال کیا ہے، تو ان کا یہ استدلال ہی حدیث کی تصحیح کی خبر دیتا ہے کما أنه إذا لم يأخذ به يدل على عدم صحته أو مرجوحيته عنده.

کیونکہ:

د۔ عین ممکن ہے کہ امام مجتہد کو یہ حدیث بالکل صحیح سند سے پہنچی ہو، اور محدثین کا طریق صرف ضعیف ہو۔

ب۔ یا محدثین اور امام مجتہد دونوں کا طریق ضعیف ہو، لیکن مجتہد نے کتاب وسنت یا قواعد کلیہ اور دیگر مؤیدات کے موافق ہونے کی وجہ سے اس کے معنی کو قابل عمل قرار دیا ہو، تو مجتہد کا اصل مستدل تو کتاب وسنت اور دیگر مؤیدات ہوتے ہیں، لیکن چونکہ حدیث ضعیف مقصود میں صریح ہوتی ہے، اس لئے اسے ذکر کیا جاتا ہے۔

ج۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ مجتہد اور محدثین کا طریق بھی ضعیف ہو، اور اس کے شواہد بھی نہ ہوں، لیکن مجتہد نے اس وجہ سے اس سے استدلال کیا ہو کہ اس کے علاوہ باب میں کوئی اور دلیل موجود نہیں تھی، اور اس میں شدید ضعف بھی نہ تھا، کما سنذکر۔

د۔ محدثین حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، لیکن وہ حدیث چونکہ مؤید بالتعامل ہوتی ہے،

ھ۔ یا اسے تلقی بالقبول حاصل ہوتی ہے، اسی لئے فقہاء کرام ضعف کے باوجود اسے قابل عمل سمجھتے ہیں۔

٤۔ فضائل اعمال، ترغیبات اور ترھیبات میں ضعیف حدیث سے استدلال کرنا امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابن العربی مالکیؒ، ابوشامہ مقدسی شافعیؒ اور ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ کے نزدیک جائز نہیں، جبکہ جمہور فقہاء ومحدثین کے ہاں حدیث ضعیف پر عمل فضائل کے باب میں تین شرائط کے ساتھ جائز ہے:

ا۔ حدیث شدید ضعیف یعنی واضع یا متّہم بالوضع، کذّاب یا متّہم بالکذب یا فاحش غلط وغیرہ کی روایت نہ ہو۔

ب۔ حدیث کسی اصل عام کے تحت مندرج ہو، جس بات کی کوئی اساس شریعت میں نہیں، اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

ج۔ اس پر عمل کے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے، بلکہ احتیاط اور فضیلت موعودہ کا قصد کیا جائے۔

٥۔ احکام شرعیہ میں حدیث ضعیف سے استدلال کرنا جمہور فقہاء امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہ اور محدثین میں سے امام نسائی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ وغیرہ کے نزدیک دو شرائط کے ساتھ جائز ہے:

١۔ حدیث شدید ضعیف نہ ہو۔

٢۔ مسئلہ میں اس کے علاوہ کوئی دوسری دلیل موجود نہ ہو۔ حتی کہ ایسی حدیث قیاس پر بھی مقدم ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر ایک حدیث دو معنوں کا بلا ترجیح احتمال رکھتی ہے، اور

Scanned by CamScanner

حدیث ضعیف نے اگر ایک معنی کی تعیین کردی تو اس معنی کی ترجیح بھی جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے ۔

٦ ۔ احادیث کی تصحیح وتضعیف چونکہ ایک انتہائی نازک کام ہے، جس کے لئے انتہائی وسیع وعمیق علم کی ضرورت ہے، اور اس کے اہل وہی لوگ ہیں جو اجتہاد کے درجہ پر فائز ہوں، اور شرائط صحت میں بھی اختلاف کی وجہ سے تصحیح وتضعیف میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں ہر مسلک فقہی والے اپنے مذہب سے تعلق رکھنے والے ناقد کی بات کو لیتے ہیں ۔

تنبیہ: یہ تمام قواعد متفرق طور پر مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہیں :
١ ۔ مقدمات الإمام الكوثري، ٢ ۔ ومقالاته، ٣ ۔ قواعد في علوم الحديث ٤ ۔ ظفر الأماني، ٥ ۔ إمعان النظر، ٦ ۔ أثر الحديث الشريف في اختلاف الفقهاء، ٧ ۔ المدخل إلى علوم الحديث الشريف، ٨ ۔ كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، ٩ ۔ مقدمة فتح الملهم، ١٠ ۔ مقدمة ابن صلاح ۔

(٢) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قابلِ اتباع قول وفعل ہی کی پیروی کا حکم ہے جو منسوخ ہو چکا، یا وہ از قبیل زلّہ ہے، یا فقہاء کرام نے دیگر دلائل کی بناء پر امت کیلئے مکروہ یا ممنوع قرار دیا ہے اس میں پیروی نہیں کی جائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا صحیح سند سے ثابت ہونا اس کے وجوب یا استحباب پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ حکم کی تعیین یہ مجتہد کا کام ہے، اس لئے غالی مقلد کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ ظاہر حدیث یا چند عبارات کو دیکھ کر اپنی ایک رائے قائم کرلے، اور پھر اس کے مطابق عمل کرے ۔

(٣) کفار سے مشابہت کا حکم

انسانی امور کی عقلاً دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں :
١ ۔ اضطراری ، ٢ ۔ اختیاری ۔

اضطراری امور میں مشابہت

اضطراری امور وہ ہیں جن کے ہونے نہ ہونے میں انسانی اختیار کو کوئی دخل نہیں، مثلاً انسان کی خلقت، اس کو بھوک پیاس لگنا، اور اس سے مجبور ہو کر کھانا پینا وغیرہ، اس میں شریعت یہ نہیں کہتی کہ اگر کافر کھاتے پیتے ہیں تو تم نہ کھاؤ، یا وہ لباس پہنتے ہیں تو تم نہ پہنو، یا وہ عبادت کرتے ہیں تو تم نہ کرو، البتہ یہ ضرور ہے کہ ان اضطراری امور میں کافروں اور فاسقوں کے طور طریقوں سے منع کیا گیا ہے ۔

Scanned by CamScanner

اختیاری امور میں مشابہت

اختیاری امور سے مراد وہ امور ہیں، جن کے کرنے نہ کرنے میں انسانی اختیار کو دخل ہوتا ہے، اور یہ دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱- مذہبی امور ، ۲- عادی و معاشرتی امور

مذہبی امور میں مشابہت

مذہبی امور سے مراد وہ اعمال ہیں جن کا تعلق دین اور عبادت سے ہے

★ ان میں ان کے اعتقادات اور عبادات میں مشابہت کفر ہے۔

★ اور اُن کی مذہبی رسومات میں مشابہت حرام قریب از کفر ہے، جیسے عیسائیوں کی طرح سینے پر صلیب لٹکانا، ہندوؤں کی طرح زنار باندھنا یا پیشانی پر قشقہ لگانا وغیرہ، ان امور میں کفار کی مشابہت سے کفر کا اندیشہ ہے۔

عادی اور معاشرتی امور میں مشابہت

یہ دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو قبیح بالذات ہیں، جن سے شریعت نے منع کیا ہے، دوسرے وہ جو مباح بالذات ہیں، جن سے شریعت نے براہ راست منع نہیں کیا۔

قبیح بالذات امور میں مشابہت

ان میں مشابہت حرام ہے، مثلاً ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا، داڑھی منڈوانا اور ریشمی لباس پہننا وغیرہ۔

مباح بالذات امور میں مشابہت

یہ بھی دو طرح کے ہوں گے، ایک وہ جو ان کا شعار اور امتیازی نشان ہوں گے، دوسرے وہ جو ان کا شعار نہیں ہوں گے۔

» اگر وہ غیر قوم کا شعار ہیں تو ان میں بھی مشابہت ناجائز قریب بہ حرام ہے، مثلاً غیر اقوام کا وہ لباس جو صرف انہی کی طرف منسوب ہو، اور اسے استعمال کرنے والا اسی قوم کا فرد سمجھا جائے، جیسے نصرانیوں کی ٹوپی، بدعتیوں کی سبز پگڑی اور شیعوں کا لباس سیاہ وغیرہ۔

» اگر وہ امور غیر قوم کا شعار نہ ہوں، تو پھر دیکھیں گے کہ مسلمانوں کے پاس ان کا بدل موجود ہے یا نہیں؟

★ اگر بدل موجود ہے تو پھر ان میں مشابہت مکروہ ہے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دستِ مبارک میں عربی کمان لئے ہوئے تھے کہ آپ نے کسی کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو ناخوشی سے فرمایا: "اسے پھینک دو، اور عربی کمان رکھو، جس کے ذریعے اللہ نے تمہیں قوت و شوکت دی ہے"۔

★ اگر وہ اشیاء ایسی ہیں کہ ان کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود

Scanned by CamScanner

نہیں، جیسے آج کل یورپ کی نئی نئی ایجادات، جدید اسلحہ، تمدن ومعاشرت کے نت نئے سامان وغیرہ، ان کے استعمال میں مشابہت کی نیت کی جائے تو جائز نہیں، اور اگر مشابہت کی نیت نہ ہو، اور اتفاقی طور پر ضرورت کیلئے یہ ایجادات استعمال میں آرہی ہوں تو ضرورت کی حد تک ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔

یہ تو تشبہ کے فقہی مراتب کا ذکر کیا گیا ہے، ورنہ احتیاط اور تقوی کا تقاضا تو یہی ہے کہ ہر قسم کے اختیاری تشبہ سے حتی الامکان احتراز کیا جائے۔ (وإن شئت التفصیل فراجع: اسلامی تہذیب وتمدن: ص۱۰۶، مسائل بہشتی زیور: ۲/۲۵۰، سیرة المصطفی: ۳/۳۹۳).

"وقال الإمام ابن أبي زيد القيرواني رحمه الله: "قال ابن عيينة: "الحديث مضلة إلا للفقهاء" يريد: أن غيرهم قد يحمل شيئاً على ظاهره وله تأويل من حديث غيره، أو دليل يخفى عليه، أو متروك أوجب تركه غير شيء، مما لا يقوم به إلا من استبحر وتفقه".

(أثر الحديث الشريف في اختلاف الفقهاء للشيخ محمد عوامه، ص۶۳، إدارة القرآن).

"وقد بعث الله عبده ورسوله محمداً صلى الله عليه وسلم بالحكمة التي هي سنته، وهي الشرعة والمنهاج الذي شرعه له، فكان من هذه الحكمة: أن شرع له من الأعمال والأقوال ما يباين سبيل المغضوب عليهم والضالين، وأمر بمخالفتهم في الهدي الظاهر، وإن لم يظهر لكثير من الخلق في ذلك مفسدة...... هذا إذا لم يكن الهدي الظاهر إلا مباحاً محضاً لو تجرد عن مشابهتهم، فأما إن كان من موجبات كفرهم، فإنه يكون شعبة من شعب الكفر، فموافقتهم فيه موافقة في نوع من أنواع ضلالهم ومعاصيهم".

(اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية: ص۲۵، مكتبة نزار مصطفى الباز) فقط

والله أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب

كتبه: سيد عطاء الرحمن
المتخصص في الفقه الإسلامي
بالجامعة الفاروقية بكراتشي
۹ / ٤ / ۱٤۲۹ھ

الجواب صحیح
[illegible]

الجواب صحیح
[illegible]
۲۶/۴/۲۹ھ

جامعہ فاروقیہ ... دار الافتاء ... کراچی (پاکستان)